اے عشق ترے ہیں کھیل عجب

درِ ثمن بلال

وہ کمالِ ہنر یوں بھی کرتا گیا
زخم دیتا گیا زخم بھرتا گیا
دُور اُس کی نگاہوں سے منزل ہوئی
جادۂ عشق میں جو بھی ڈرتا گیا
رات پھولوں پہ شبنم برستی رہی
رنگ پھولوں کے رخ کا نکھرتا گیا

عشق، محبت، چاہت، پیار ایک جذبے کے کتنے اظہار... یہ جذبہ ہر کسی کے دل میں پنپ سکتا ہے بشرطیکہ دل کا ظرف وسیع اور خلوص کے موتیوں سے مرصّع ہو، زیرِ نظر کہانی اسی جذبے کے اتار چڑھاؤ کو بے حد متاثر کُن انداز میں قاری کو ایک نئی سوچ سے روشناس کراتے ہوئے بڑھتی ہے۔

عشق کے آفاقی جذبے کو ایک نئے انداز میں بیان کرتی دلکش تحریر

قسط 8

نور بیگم کے کمرے میں اس وقت چار نفوس بیٹھے تھے...... داؤد چوہدری، سمیرا بیگم اور خود نور بیگم...... تینوں کے لبوں پر ایک گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

''پہلے وقتوں میں بچوں کی شادی بیاہ کے معاملات بڑے طے کرتے تھے آج کل بچے یہ معاملات خود طے کر کے بعد میں والدین کو بتاتے ہیں۔'' نور بیگم نے کمرے کی خاموشی کو توڑتے ہوئے اپنی رائے دی۔

ان کی بات پر داؤد چوہدری نے ایک طویل سانس لی وہ ابھی تک ایک ٹرانس کی کیفیت میں تھے۔

''بس اماں جی وہی دور اچھے تھے...... آج کل کے بچے والدین کو بے وقوف سمجھتے ہیں...... میری بہت بڑی خواہش تھی کہ عنایہ کے ساتھ میری ایشو بھی اسی گھر میں رہتی...... میرے مرحوم بھائی کی بیٹیاں میری نظروں کے سامنے رہتیں تو میرا دل مطمئن رہتا...... اپنی نازوں میں پلی بیٹیاں لوگوں کے گھروں میں بھیجنے کے لیے بڑا حوصلہ چاہیے ہوتا ہے۔''

''مگر داؤد کیا کریں......؟ ایشو اور اقصم کسی صورت بھی یہ نیا رشتہ بنانے کو تیار نہیں...... اب بچوں کے ساتھ زبردستی تو نہیں کی جا سکتی ناں......'' سمیرا بیگم نے انہیں سمجھایا۔

''کیا عینی نے ایشو سے ارسل کے رشتے کے سلسلے میں بات کی......؟'' نور بیگم کو جیسے کچھ یاد آیا تو انہوں نے بہو سے دریافت کیا۔

''جی اماں، عینی نے بات کی تھی ایشو سے...... وہ تو پروپوزل کا سنتے ہی بھڑک اٹھی تھی۔''

''اُف خدایا...... ان آج کل کے بچوں کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔'' ان کی بات سن کر نور بیگم کو افسوس ہوا۔

''ویسے ارسل اتنا برا لڑکا نہیں ہے، ویل ایجوکیٹڈ ہے...... پھر اس کے والدین کو بھی ہم اچھی طرح سے جانتے ہیں...... دیکھے بھالے لوگ ہیں۔'' داؤد چوہدری نے اپنی رائے دی۔

''ہاں لوگ تو اچھے ہیں مگر ابھی انہیں ہمیں کوئی حتمی جواب نہیں دینا چاہیے...... بہتر یہی رہے گا کہ ارسل اور ایشال ایک دوسرے کو دیکھ بھال لیں...... اگر ان دونوں میں انڈراسٹینڈنگ ہو جاتی ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ ایشال کی کون سی عمر نکلی جا رہی ہے۔اس کے لیے بہتر سے بہتر رشتہ مل سکتا ہے اگر اس کے لیے کسی ڈاکٹر کا ہم انتخاب کریں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔'' سمیرا بیگم نے شوہر کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں بہو، کہتی تو تم ٹھیک ہو۔'' نور بیگم نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہوں...... آئی ایگری...... اگر ایشال اور عمر کے درمیان ایج ڈیفرنس نہ ہوتا تو عمر اس کے لیے بہترین انتخاب ہو سکتا تھا۔'' داؤد چوہدری نے قیاس ظاہر کیا۔

''ایشو تو عمر سے اتنا چڑتی ہے...... اگر ان کے درمیان ایج ڈیفرنس نہ بھی ہوتا تو وہ کبھی نہیں مانتی۔'' سمیرا بیگم نے اپنی رائے دی۔

''اب ایسا بھی کیا عمر کا فرق ہے؟ مرد کو عورت سے پانچ چھ سال بڑا ہی ہونا چاہیے...... عمر اور ایشال کے بارے میں اب بھی تو سوچا جا سکتا ہے۔'' نور بیگم کو تو عمر سے ویسے بھی بہت پیار تھا...... وہ داؤد کی رائے پر ازحد مسرت سے بولیں۔

''اماں جی عمر، ایشال سے پورے دس سال بڑا ہے۔'' سمیرا نے انہیں یاد دلایا۔

''تو کیا فرق پڑتا ہے بیٹا...... تمہارے مرحوم سسر مجھ سے پندرہ برس بڑے تھے ہم نے بھی تو ایک اچھی زندگی گزاری...... سارا خاندان جانتا ہے۔'' نور بیگم نے کہا تو داؤد چوہدری دھیرے سے مسکرا دیے۔

''اماں جی بے شک آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر اماں جی وہ پرانے وقتوں کی بات تھی...... آج کل کے بچے اپنی من مانی کرتے ہیں، والدین کے فیصلے سننے کے بجائے وہ اپنے فیصلے سناتے ہیں۔'' داؤد چوہدری نے وضاحت دی۔

''ساجدہ بھی ایشو سے بے حد پیار کرتی ہے اگر یہ لڑکی عمر کے لیے مان جائے تو میرا دل مطمئن ہو جائے گا کہ میرے مرحوم بیٹے کی بچیاں اپنوں کے درمیان ہیں۔'' نور بیگم آبدیدہ ہوئیں۔ ''میرا دل نہیں مانتا میری ایشو خاندان سے باہر بیاہی جائے۔''

''اماں جی آپ پریشان نہ ہوں...... ابھی دیکھتے ہیں آنے والا وقت کیا تبدیلی لاتا ہے باقی اللہ بہتر کرنے والا ہے۔'' داؤد چوہدری نے انہیں مطمئن کیا۔

''اماں آپ کیوں ٹینشن لیتی ہیں...... ایشو اور عینی ہمیں اپنے بیٹوں سے بڑھ کر ہیں، ایشو کی شادی کا فیصلہ ہم اس کی رضامندی سے ہی کریں گے...... ابھی تو شکر ہے وہ اپنی فیلڈ کو سیریس لے رہی ہے...... اس کا انٹرسٹ کافی ڈویلپ ہوا ہے۔ اور آج کل وہ باقاعدگی سے اسپتال جارہی ہے۔'' سمیرا بیگم کی بات پر داؤد چوہدری مسکرادیے۔

''ہاں یہ بھی اللہ کا احسان ہے...... ورنہ میں اس کے فیوچر کے حوالے سے بہت پریشان رہتا تھا۔ عمر مجھے بتارہا تھا کہ اسپتال میں پہلے کی نسبت خاصا چینج آیا ہے...... اب عمر کو اسے ڈانٹنے کی نوبت پیش نہیں آتی۔''

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔'' نور بیگم نے مسکراتے ہوئے شکر ادا کیا۔ داؤد اور سمیرا بھی مسکرادیے۔

''سمیرا اچھی سی چائے بنواؤ...... اور یہ عینی اور زارون کہاں ہیں؟'' داؤد چوہدری نے ٹیبل سے آج کا اخبار اٹھاتے ہوئے سمیرا سے پوچھا۔

''میں ابھی چائے بھجواتی ہوں...... عینی اور زارون کی اپنے ڈیزائنر سے اپائنٹمنٹ تھی، وہیں گئے ہوں گے۔'' سمیرا بیگم صوفے سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

''اماں آپ چائے لیں گی؟''

''ہاں بیٹا بنوادو...... ایشو اور اقصم کے یوں انکار کرنے پر میرے تو سر میں درد شروع ہوگیا ہے...... سمیرا میری بچی...... تم ذرا پینو کو بھیجو...... میرا سر دبادے۔''

''جی اماں، میں ابھی بھیجتی ہوں اسے۔'' سمیرا بیگم ساڑی کا پلو سنبھالتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

☆☆☆

زویا کا گلو سے اس جھوٹ پر زبردست جھگڑا ہوا تھا۔ جسے شاکر حسین سہہ نہ پائے تھے...... گلو اپنا جھوٹ تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ لہٰذا اس جھگڑے کے نتیجے میں گلو بکتا جھکتا گھر سے نکل گیا تھا...... اور اب بیس پچیس روز ہونے کو تھے اس کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ گھر کے تمام معاملات کی ذمے داری زویا پر آن پڑی تھی...... کبھی، کبھی اس کا جی چاہتا کہ وقت پیچھے چلا جائے وہ اسکول ٹیچر کے بجائے پھر سے ایک بچی بن کر اسکول کا بیگ ہاتھ میں پکڑ لے...... کتابوں میں پڑھا سبق آسان لگتا تھا اسے...... اور اب زندگی کے دیے ہوئے سبق نے اس کی ہنسی چھین لی تھی۔

آج کل وہ نوکری ڈھونڈنے کے لیے مختلف اخباروں میں ضرورت اسٹاف کے اشتہار پڑھ کر اسکول سے چھٹی کے بعد انٹرویو دینے کے لیے گھر سے نکل جاتی...... کہیں اس کی کم تعلیم آڑے آتی...... تو کہیں اسے مردوں کی غلط نظروں کا سامنا کرنا پڑتا...... اور کہیں انٹرویو سے پہلے ہی کوئی سفارشی جاب حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا اور وہ مایوس گھر لوٹ آتی...... ایک اخبار میں کسی مشہور ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں ریسپشنسٹ کی سیٹ خالی تھی زویا وہاں انٹرویو کے لیے گئی تھی تو وہاں کے مالک نے اس کا فوٹو جینک فیس دیکھتے ہی اسے ماڈلنگ کی آفر کردی...... ایک ایڈ کے لاکھوں کی آفر کرنے کے باوجود زویا نے اس شخص کو کھری، کھری سناتے ہوئے انکار کردیا تھا اور وہ انٹرویو میں کوالیفائی ہونے کے باوجود انکار کرتے ہوئے واپس گھر آگئی تھی۔ ادھر زارا کا شوہر خالد بیٹے کی پیدائش پر از حد خوش تھا مگر اس کا اپنے گھر والوں سے جھگڑا ہوگیا تھا اور وہ لڑ جھگڑ کر یہاں سسرال میں ہی ڈیرے جما کر بیٹھ گیا تھا...... اور ہمیشہ کی طرح سیما بیگم سے کچھ رقم کی ڈیمانڈ کررہا تھا جس سے وہ اپنے بیوی بچوں کے لیے کرائے کا

الگ گھر لینا چاہتا تھا...... دوسری طرف سارہ ان تمام گھریلو معاملات سے بے خبر اپنے ہی گھر میں کسی اجنبی کی طرح زندگی گزار رہی تھی۔

وہ گھر کے کسی کام کاج میں حصہ لیتی نہ کچھ کھاتی پیتی اور نہ ہی زیادہ بات کرتی...... وہ کالج سے واپس آتی کپڑے بدلتی اور چپ چاپ لیٹی رہتی، ہر وقت کچھ سوچتی رہتی...... اور گم صم سی رہتی گھر والے شاکر حسین کی اچانک ہونے والی موت کو سارہ کی اس کیفیت کا سبب سمجھتے۔ شاید اس نے باپ کی موت کا صدمہ دل پر لے لیا تھا۔ سارہ کسی کو نہیں بتا سکتی تھی کہ کون سا غم اسے دیمک کی طرح اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا...... بار، بار اپنی عزت ایک نام نہاد عاشق لٹیرے کے ہاتھوں گنوانے کے بعد وہ ہر وقت موت کے بارے میں سوچتی رہتی۔ گناہوں کی اس دلدل سے وہ خود کو کیسے نکال سکتی تھی ہر وقت وہ یہی سوچتی رہتی...... مگر اسے باہر نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

☆☆☆

نور منزل میں ہونے والی اس پارٹی میں شہر کی تمام اعلیٰ ترین شخصیات کو مدعو کیا گیا تھا، سمیرا بیگم بیک لیس بلاؤز کے ساتھ ساڑی میں ملبوس تھیں، داؤد چوہدری بھی سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس تھے...... وہ دونوں اقصم کو اپنے ساتھ لیے اپنے دوست احباب سے ملوانے میں مصروف تھے۔

زارون اور عنایہ دونوں ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے اپنے دوستوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ باوردی مستعد ویٹرز تمام مہمانوں کو سرو کر رہے تھے۔ بیسمنٹ کے اس وسیع ہال کو اس پارٹی کے لیے مشہور آرگنائزر Moon نے خوب صورت ترین بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی...... ہال میں گول ٹیلبز لگائی گئی تھی جن پہ جلتی ہوئی کینڈلز اور ہال میں جلنے والی مدھم لائٹوں نے ماحول کو نہایت خوب صورت اور رومینٹک بنا رکھا تھا...... ہال کے درمیان ڈانسنگ فلور بنایا گیا تھا جس کی چھت پہ شاندار قسم کی رنگ برنگی لائٹیں جلتی بجھتی نظر آ رہی تھیں۔ بہترین ساؤنڈ سسٹم کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ ڈانسنگ فلور کے چاروں کونوں پر خوب صورت ستون بنائے گئے تھے...... جن کو اس پارٹی کے حوالے سے خصوصی طور پر سجایا گیا تھا۔ رات گیارہ بجے یہ پارٹی شروع ہوئی تھی۔

پارٹی کا آغاز بازار حسن کی مشہور اور حسین ڈانسر کی کلاسیکی پرفارمنس سے ہوا تھا۔ اس کے بعد اقصم نے گٹار بجاتے ہوئے Ariana grande کا مشہور گیت love me سنایا تھا جسے سنتے ہوئے کئی من چلے نوجوان لڑکے لڑکیوں نے پُرجوش انداز میں وسلنگ بھی...... کی تھی۔ اقصم کی پرفارمنس کو سب نے بہت انجوائے کیا تھا۔ کئی لڑکیوں نے تو اسے اپنے فون نمبرز تک دے ڈالے تھے...... اس پارٹی میں بھی موجود تھے سوائے مناب اور ڈاکٹر عمر کے...... کیونکہ وہ دونوں ایسی کاک ٹیل پارٹیز اٹینڈ نہیں کرتے تھے...... پارٹی میں موجود تمام افراد خوش گپیوں میں مصروف تھے...... سب کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے صرف ایک ایشال ہی تھی جو چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے زبردستی اس پارٹی کا حصہ نظر آ رہی تھی...... آج اس کا دل اس پارٹی میں بالکل بھی نہیں لگ رہا تھا۔ علینہ بھی اس کے ساتھ تھی۔

''یار ایشو آج تم مجھے بور کر رہی ہو......'' علینہ نے سوفٹ ڈرنک پیتے ہوئے شکوہ کیا۔

''تو تم سے کس نے کہا ہے میرے پاس بیٹھ کر بور ہونے کو...... جاؤ تم بھی اپنے لیے کوئی پارٹنر تلاش کرو اور ڈانسنگ فلور پر جا کر ڈانس کرو...... اور chill shill کرو۔''

''تو تم کیوں یہاں بیٹھی ہوئی ہو یار، اٹھو چلو پارٹی کو انجوائے کرو۔'' علینہ نے اصرار کیا۔

''میرا تو دل نہیں چاہ رہا...... مگر تم تو اٹھو...... انجوائے کرو...... پارٹی کو۔'' ایشال کے انکار پر علینہ کندھے اچکا کر اٹھ کھڑی ہوئی...... علینہ نے آج خاصا نازیبا قسم کا لباس پہن رکھا تھا۔ وہ کیا اس پارٹی میں موجود ہر عمر کی خاتون کا لباس ایسا ہی تھا...... ایشال نے چوڑی دار پاجامے کے ساتھ لمبی شرٹ پہن رکھی

تھی۔ کسی کی ڈانٹ نے اسے ڈھنگ کا لباس پہننے کی عادت ڈال دی تھی۔ وہ ہمیشہ ایسی پارٹیز کو بھرپور طریقے سے انجوائے کیا کرتی تھی مگر ایسا آج پہلی بار ہوا تھا، اس کا دل کسی چیز میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ ہال کے ایک کونے میں رکھی ٹیبل پر بیٹھی تھی۔

ڈانسنگ فلور پر اب میوزک چینج کر دیا گیا تھا فاسٹ میوزک اور جلتی بجھتی لائٹوں کے نیچے لڑکے، لڑکیاں میوزک کے ساتھ تھرک رہے تھے...... منی بار میں ایک چیئر پہ بیٹھا اپنے پسندیدہ مشروب کی چسکیاں لیتا ارسل مسلسل ایشال کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور گلاس ہاتھ میں لیے، لیے ایشال کے پاس ٹیبل پر آ گیا۔

''کیا میں دنیا کی حسین اور مغرور ترین لڑکی کے ساتھ تھوڑی دیر بیٹھ سکتا ہوں؟'' ارسل، ایشال کے جواب کا انتظار کیے بغیر...... چیئر پر بیٹھ چکا تھا۔ ایشال کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔

''ویسے میں نے تم جیسا ڈھیٹ شخص اس دنیا میں نہیں دیکھا۔''

''آج میں آپ کا مہمان ہوں کم از کم آج تو ایسے القابات سے نہ نوازیں مجھے......'' ارسل اسے دیکھ کر مسکرایا پر ایشال خاموش رہی۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اس پارٹی کو انجوائے کیوں نہیں کر رہیں؟''

''میں تمہارے کسی بھی سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی۔'' ایشال نے لٹھ مار جواب دیا۔

''آپ مجھ سے ابھی تک خفا ہیں؟''

''خفا صرف اپنے خاص رشتوں سے ہوا جاتا ہے...... میں تم سے کیوں خفا ہوں گی؟''

''اوآئی سی...... تو مجھے بھی ان خاص لوگوں میں شامل کر لیں ناں......!''

''ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔''

''مگر کیوں؟ میں اتنا برا انسان نہیں ہوں جتنا آپ سمجھتی ہیں۔''

''مجھے وضاحتیں مت دو۔''

''مگر میں دینا چاہتا ہوں۔''

''پر میں نہیں لینا چاہتی...... کہہ دیا ناں میں نے۔'' وہ بیزار ہوئی۔

''کم آن یار......؟ جس واقعے پہ آپ مجھ سے خفا ہیں، ناراض ہیں اس واقعے کو دو مہینے ہو چکے ہیں...... میں کئی بار آپ سے ایکسکیوز کر چکا ہوں...... اور میں واقعی بہت شرمندہ ہوں۔ اس رات میں اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ اس رات جو بھی ہوا میں آج پھر آپ سے معذرت کرتا ہوں...... آپ پلیز مجھ سے اس طرح بی ہیو مت کیا کریں، مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

ارسل کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ایشال اب اسے کسی بات پر سرزنش نہیں کر سکی تھی۔

''ویسے آپ پر ہر ڈریس سوٹ کرتا ہے......'' ارسل نے اس کی تعریف بھی کی...... ایشال خاموش رہی...... اس کی نظریں علینہ پر مرکوز تھیں جو ایک لڑکے کے ساتھ ڈانسنگ فلور پر تھی۔

''آئی تھنک اب ہمیں اپنے درمیان فاصلوں کو ختم کر دینا چاہیے...... اور مزید ایک دوسرے کو بور کرنے کے بجائے ہمیں اس پارٹی کو انجوائے کرنا چاہیے۔''

ارسل نے چیئر سے اٹھ کر اپنا ہاتھ ایشال کی طرف بڑھایا۔

اس نے چند لمحے ارسل کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا اور پھر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا...... شاید وہ اپنے اندر کی فرسٹریشن دور کرنا چاہتی تھی اسے کسی ساتھی کی ضرورت تھی۔

ارسل اس کا ہاتھ تھامے ڈانسنگ فلور کی طرف لے آیا تھا...... ایشال اپنے دل و دماغ سے ڈاکٹر عمر کو اور ان

کی باتوں کو جھٹلانا چاہتی تھی...... کئی دنوں سے اس کے دل و دماغ پر ڈاکٹر عمر سوار تھے، اُن کے کڑے تیور اُن کی کڑوی باتیں...... ان سب نے اس کا دماغ خراب کر رکھا تھا...... افصم کی آمد کی خوشی میں صبح چار بجے تک ہونے والی اس پارٹی کو یادگار بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی۔

☆☆☆

سارہ کافی دیر سے برآمدے کی سیڑھی پر ستون سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ کمرے میں سب دستر خوان بچھائے کھانا کھا رہے تھے۔

زویا ڈونگے میں دوبارہ سالن ڈالنے کے لیے کمرے سے کچن کی طرف جا رہی تھی۔ جب اس نے سارہ کے بوجھل وجود اور اترے ہوئے چہرے کو تفکر سے دیکھتے ہوئے تیسری بار اسے کھانا کھانے کو کہا تھا اور تیسری بار بھی سارہ نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا...... آج کل اسے اپنی طبیعت میں بھی عجیب سی تبدیلی محسوس ہو رہی تھی، اسے آج کل نیند بھی بہت آ رہی تھی...... زویا اس کے پاس سالن کا ڈونگا پکڑے کھڑی تھی اور اس سے کھانا نہ کھانے کی وجہ پوچھ رہی تھی...... آج خالد کی فرمائش پہ گھر میں گوشت بنایا گیا تھا۔ ڈونگے سے آنے والی گوشت کی خوشبو نے یک دم سارہ کا دل متلایا تھا اور وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر بے ساختہ واش بیسن کی طرف بھاگی تھی۔

زویا نے کمرے میں جاتے، جاتے سارہ کو پریشان نظروں سے دیکھا اور پھر آدھے گھنٹے میں اسے تین بار الٹی آئی تھی۔

☆☆☆

جوں، جوں شادی کے دن قریب آ رہے تھے عنایہ کے پارلر کے چکر بھی زیادہ لگ رہے تھے...... ابھی، ابھی وہ پارلر سے واپس آئی تھی تو اسے اپنے سر میں ہیڈک سی محسوس ہو رہی تھی۔ عنایہ بیڈ پر بیٹھی تھی اور پینو اس کی پشت پہ بیٹھی اس کے کندھے اور سر دبا رہی تھی۔ سامنے ہی ایشال ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس ٹریڈمل پر بھاگ رہی تھی۔

”ایشو بی بی اب بس وی کر دیں جی...... پچھلے آدھے گھنٹے سے آپ اس مشین پہ انے وا بھاگ رہی ہیں...... آپ کو ویکھ، ویکھ کر تو مجھے چکر آنے لگے ہیں۔“ پینو کے شکوے پہ عنایہ بے ساختہ مسکرا دی۔

”پینو تمہیں کس نے کہا ہے تم مجھے بار، بار دیکھو......“ ایشال نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ جواب دیا۔

”پینو ٹھیک کہہ رہی ہے ایشو...... ایک دن کی ایکسر سائز سے پندرہ بیس دن میں چار کلو وزن کم نہیں ہونے والا تمہارا...... ایکسر سائز کے ساتھ تمہیں کھانے پینے میں بھی بہت کنٹرول رکھنا ہو گا...... تمہیں مارننگ واک یا پھر سوئمنگ کرنے کی عادت ڈالنی ہو گی۔“

”سوئمنگ تو میں بالکل بھی نہیں کر سکتی...... تمہیں تو پتا ہے عینی بچپن سے ہی مجھے پانی میں جانے سے کتنا خوف آتا ہے...... ہاں مارننگ واک کی عادت میں ڈال لوں گی۔“ ایشال نے اسی طرح پھولی سانسوں کے ساتھ جواب دیا۔

”اچھی بات ہے ویٹ لوز کرو، مجھے دیکھو...... میں نے ڈائٹ اور ایکسر سائز سے خود کو کتنا سلم رکھا ہوا ہے۔“ عنایہ کو اپنے حسن اور اپنے دبلے پتلے تراشیدہ سراپے پہ مان بھی بہت تھا۔

”تمہاری ہمت کی داد دیتی ہوں میں...... نہ جانے تم باقاعدگی سے کس طرح ایکسر سائز کے لیے ٹائم نکال لیتی ہو۔“ ایشال مشین سے نیچے اتر آئی...... اور ٹاول سے فیس خشک کرتے ہوئے چیئر پہ لیٹنے والے انداز میں گر گئی۔

”زارون کو میرا اسمارٹ فگر پسند ہے، اس کے لیے اپنا خیال رکھنا مجھے اچھا لگتا ہے۔“ عنایہ کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ کھل اٹھی تھی...... ”اسی لیے تو وہ میرا نام لے، لے کر جیتا ہے کہ میں اس کی پسند نا پسند کا خیال رکھتی ہوں۔“

”عینی بی بی اللہ آپ کی قسمت چنگی کرے جی...... رب سوہنا آپ کو دنیا جہان کی خوشیاں نصیب

کرے...... پر ان مردوں کا بھی کوئی دین، ایمان نہیں ہوتا ان کو ہیرے ورگی بیوی بھی مل جائے تو یہ اس کو وی مٹی میں رول دیتے ہیں جی...... اِک منٹ وچ عورت کو ستویں آسمان سے نیچے سٹ (گرا) دیتے ہیں جی۔'' پینو دھیرے، دھیرے عنایہ کے کندھے دبا رہی تھی۔ پینو کے لہجے میں اپنے اوپر بیتا دکھ بول رہا تھا۔

''ہر مرد تمہارے خاوند جیسا دھوکے باز نہیں ہوتا پینو...... اور پھر تمہارے طبقے کے مرد تو بالکل جاہل اور گنوار ہوتے ہیں...... عورت کی قدر و قیمت ہی نہیں جانتے......'' عنایہ کی آنکھیں بند تھیں...... اسے پروین کے دبانے سے سکون مل رہا تھا...... عنایہ کے جواب پر پروین نے ایک دکھ بھری سانس لی۔

''عینی بی بی...... مرد پڑھا لکھا ہو یا جاہل...... بیوی کے معاملے میں اس کی عقل اس کی سوچ اکو ای جیسی ہوتی ہے جی...... انہیں عورت اپنی منگیتر یا محبوبہ کے روپ میں ہی سوہنڑی لگتی ہے...... جب ہی محبوبہ یا منگیتر مرد کی بیوی بن جائے تو پھر اس عورت کی ایسی مت مارتے ہیں کہ وہی سوہنڑی اور عقل مند عورت بے عقلی اور کوجی ہو جاتی ہے......''

''پینو، تمہارا یہ مرد کی سائیکی کے بارے میں لیکچر کم از کم میری سمجھ میں تو بالکل بھی نہیں آرہا......'' ایشال نے پینو کی بات پہ بیزار ہو کر ہینڈ فری کانوں سے لگایا اور موبائل ہاتھ میں پکڑ لیا۔

''پہلے مینوں وی ایسی باتوں کی سمجھ نہیں آتی تھی عینی بی بی...... فیر دل پہ جب چوٹ لگی تو آپے ہی سمجھ وی لگ گئی۔'' اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

''کسی زمانے وچ میں اپنے پنڈ کی سب سے سوہنڑی کڑی ہوا کرتی تھی۔ شوکت میرے اوپر جان چھڑکتا تھا جی...... میرے صدقے واری جاتا تھا اور اپنی قسمت پہ ناز کرتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا تو ساری دنیا کی سب سے سوہنڑی کڑی ہے جب تو میرے گھر میں آئے گی تو میرا گھر جنت بن جائے گا......'' پینو آج موڈ میں تھی عنایہ کا سر دباتے ہوئے وہ اپنے دل کے زخموں کو پھر سے تازہ کر رہی تھی۔

''پھر کیا ہوا پینو......؟'' عنایہ کو اس کی کہانی میں دلچسپی پیدا ہوئی۔

''فیر کی ہونا سی عینی بی بی...... جب میں ویاہ کر شوکت کے گھر چلی گئی تو پہلے پہل تو اس نے میرے بڑے چاہ کیے...... فیر آہستہ، آہستہ اسے مجھ میں عیب نظر آنے لگے...... وہ مجھ پر جان چھڑکتا تھا اب وہی مجھ سے جان چھڑانے لگا...... جو اپنی قسمت پہ پہلے ناز کرتا تھا وہی شوکت اب اپنی قسمت کو کوستا نظر آتا تھا۔ جو ہر وقت مجھے کہتا تھا کہ پینو تیرے آنے سے میرا گھر جنت بن جائے گا۔ وہی شوکت مجھے اب کہتا کہ تیرے آنے سے میرا گھر جہنم بن گیا ہے۔'' پینو کے لہجے میں بیتا ہوا دکھ بول رہا تھا۔

''مگر کیوں پینو...... وہ ایسا کیوں کہتا تھا؟ تمہیں تو شوکت کی ایسی باتوں سے بہت دکھ ہوتا ہوگا؟'' عنایہ کے سوالوں پر اس کے چہرے پر پھر سے دکھوں کی پرچھائیاں ابھرنے لگی تھیں۔

''عینی بی بی کچھ نہ پوچھو جی...... میرا تو دل چیر جاتا تھا، میں ہر ویلے شوکی کے ان لفظوں کی ہیر پھیر میں الجھی رہتی تھی، سڑتی رہتی تھی...... میں روز فیر وی اس کے لیے بنتی سنورتی تھی پر وہ مجھ میں دلچسپی ہی نہیں لیتا تھا۔''

''مگر کیوں...... تم تو اس کی محبت تھی ناں......؟ پھر وہ ایسے کیوں کرتا تھا تمہارے ساتھ؟''

''بس عینی بی بی مرد کی زندگی میں...... کب، کیوں اور کیسے کے لفظ نہیں ہوتے...... یہ اِک منٹ لگاتے ہیں عورت کو ستویں آسمان سے نیچے سوٹنے میں...... شوکت بڑے شوق سے مجھے بیوی بنا کر اپنے گھر لے آیا تھا پر میری اہمیت اس کی زندگی وچ گھر کے کسی پرانے ٹوٹے پھوٹے سامان کی طرح ہو گئی تھی...... جب اسے سامان کی ضرورت پڑتی وہ گھر آتا...... سامان کو استعمال کرتا اور فیر اسے اپنے کمرے کے کسی کونے میں چھڈ کے باہر

نکل جاتا...... اور میں اتنی کملی اور بے وقوف تھی کہ اس سے اپنی محبت کے بدلے میں صرف اس کی گواچی ہوئی محبت مانگتی تھی اور بدنصیب اتنی تھی کہ وہ مجھے اپنی گواچی ہوئی محبت کبھی نہ دے سکا......'' پینو کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ عنایہ کو دکھ ہو رہا تھا اس کی کہانی سن کر۔

''کیا اسی وجہ سے تم نے شوکت سے طلاق لی تھی؟''

''بس عینی بی بی کیا بتاؤں...... وہ کسی دوسری عورت کے چکر میں پڑ گیا تھا۔ جب مرد کو پرائی چوکھٹ سے کھانے کی عادت پڑ جائے تو اسے اپنے گھر کا پکا ہوا چنگا نہیں لگتا جی...... وہ مجھ سے لڑائی کرنے کے بہانے ڈھونڈتا تھا۔ ہر ویلے مجھے اولاد نہ ہونے کے تانے دیتا تھا۔ میرے مقدر کا رزق اسے بڑا مل رہا تھا پر اس کے مقدر کی اولاد مجھے نہ مل سکی۔ ان پریشانیوں میں مجھے امید وی نہ لگی۔ اور پھر شوکی مجھ پر ہاتھ وی اٹھانے لگا تھا......'' اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

''فیر میں نے سوچا کہ پرائی عورت کے عشق میں ڈوبے اپنے پرائے خاوند کو اپنا بنانا نرا فضول ہے، نرا دھوکا...... ہم دونوں کے وچ اب وہ گل وی نہیں رہی تھی...... روز، روز مرنے سے میں نے اپنے آپ کو ایکو واری مارنے کا فیصلہ کر لیا اور اس سے طلاق لے لی۔'' اس نے ایک طویل سانس باہر نکالی۔

''پنڈ والوں نے بڑی باتیں بنائیں میرے کردار پر انگلیاں وی اٹھائیں۔''

''مگر کیوں؟ طلاق لینے کا حق تو خود ہمارے مذہب نے عورت کو دیا ہے...... عورت اگر اپنے شوہر کے ساتھ خوش نہیں ہو تو وہ خلع لے سکتی ہے۔''

''آپ تو پڑھے لکھے شہری لوگ ہو جی...... وڈے لوگ ہو، ہم چھوٹے لوگوں کو غریب اور ان پڑھ لوگوں کو ایسی وڈی باتوں کا کیا پتا جی...... پر ہمارے پنڈ میں طلاق لینے کو بہت برا سمجھا جاتا ہے جی۔''

''مائے گڈنس...... پینو تمہارے طبقے کی عورت کی زندگی کتنی مشکل ہوتی ہے ناں......''

''ہاں جی عینی بی بی...... میری تو پنڈ میں جتنی وی زندگی گزری اوکھی اور عذابوں میں ہی گزری...... وہ تو بھلا ہو وڈے صاحب جی کا...... وہ حویلی آئے تو میری ماں نے صاحب جی سے گزارش کی کہ پینو کو کام کاج کے واسطے اپنی شہر والی کوٹھی لے جائیں یہاں آ کر وڈی اماں کی خدمت میں اور آپ دونوں بہنوں کے ساتھ میرا ایسا دل لگا کہ مجھے تو اب کبھی اپنے پنڈ کی یاد دی نہیں آئی۔'' پینو نے دوپٹے سے اپنے آنسو صاف کیے۔

''شوکت تمہیں یاد تو کرتا ہوگا پینو......؟''

''ہاں جی، میری سہیلی رجو کا اک واری فون آیا تھا۔ وہ بتا رہی تھی کہ اب شوکی بڑا روتا ہے مجھے یاد کر کے...... اس نے اپنی معشوقہ سے شادی کر لی تھی پر سنا ہے شادی کے بعد اس عورت نے شوکی کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے...... بڑا ستاتی ہے اسے۔''

''شوکی نے تمہیں بھی تو ستایا تھا...... شاید قدرت اس سے یہی انتقام لے رہی ہے۔''

عنایہ کا دل اس کی کہانی سن کر بہت افسردہ ہو گیا تھا...... وہ پچھلے آٹھ دس سال سے ان کے ساتھ تھی ان کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی تھی۔

''پینو تم کتنی اچھی ہو...... تمہارے شوہر نے تمہاری قدر نہیں کی۔ مجھے یہ سن کر بہت افسوس ہوا۔''

''عینی بی بی یہ مرد ذات بھی ناں بڑی بدذات ہوتی ہے...... مرد ہمیشہ اس چیز کی قدر کرتا ہے جو اسے حاصل نہ ہو...... اور ویسے بھی عورت نمانی کو سکھ تو مقدروں سے ملتے ہیں جی، میرے وی مقدروں میں خوشیاں نہیں تھیں۔'' پینو نے بھی شاید اب حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا۔

''پینو تمہارا...... 'شوکت نامہ' اگر ختم ہو گیا ہو تو میرے لیے اورنج جوس لے آؤ۔'' ایشال کانوں سے ہینڈ

فری ہٹا کر پینو سے مخاطب ہوئی۔
''اچھا ایشو بی بی میں ابھی لا دیتی ہوں......'' پینو اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

اب کی بار ایشال نے دل میں عہد کرلیا تھا کہ وہ ڈاکٹر عمر کے اسپتال نہیں جائے گی۔ کئی دن تک وہ اپنے دل سے الجھتی رہی تھی...... لڑتی رہی تھی بالآخر اس کے دل نے اسے یہ باور کروا دیا تھا کہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی غلطی اس کی اپنی ہی تھی...... اسے خواہ مخواہ ڈاکٹر عمر کی پرسنل چیزیں نہیں دیکھنی چاہیے تھیں...... پھر اُن کی محبت کی نشانی بھی تو وہ توڑ چکی تھی...... ایک ہفتے کے بعد جب وہ اسپتال میں ڈاکٹر عمر کے روم میں داخل ہوئی تھی تو وہ سامنے اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھے کسی سے فون پر نہایت خوشگوار موڈ میں بات کر رہے تھے۔

وہ جز بزسی روم میں داخل تو ہوگئی تھی مگر اب اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ جو ایک ہفتے اسپتال نہیں آئی تھی ڈاکٹر عمر کو وہ کیا اور کیسے وضاحتیں دے گی؟ بات کرتے ہوئے ڈاکٹر عمر نے لحظہ بھر اسے دیکھا اور اسے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔

وہ شش و پنج میں اپنی چیئر پر بیٹھ چکی تھی...... تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر عمر نے فون بند کرنے کے بعد رخ ایشال کی طرف موڑا۔

''السلام علیکم......'' ایشال نے انہیں سلام کرنے کے بعد سر جھکا لیا۔

''وعلیکم السلام...... ٹائم مل گیا تمہیں یہاں آنے کا......'' خشمگیں نگاہوں سے سوال کیا گیا۔

''وہ مم...... میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی......'' ایشال نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''بہانہ چینج کرلو...... کافی پرانا ہوگیا ہے یہ اب......'' غور سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مشورہ دیا گیا تھا۔

''نن...... نہیں مم...... میں کیوں بہانہ بناؤں گی۔'' وہ گڑبڑائی...... ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ وہ ڈاکٹر عمر کے سامنے کبھی ڈھنگ سے جھوٹ بھی نہیں بول پاتی تھی۔

''جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے...... سچ بولو گی تو کھا نہیں جاؤں گا میں تمہیں...... سیدھی طرح سے کہہ کیوں نہیں دیتیں کہ تمہیں مجھ پر غصہ تھا...... اور اسی وجہ سے تم ایک ہفتے سے اسپتال نہیں آ رہی تھیں۔''

ایشال نے گڑبڑا کر نظریں اٹھائیں اور پھر اگلے ہی لمحے جھکا بھی لیں وہ اسی کو دیکھ رہے تھے۔

''نن...... نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے ایک بار پھر انکار کیا۔

''تمہیں مجھ سے مزید جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے ایشو...... آئی ایم سوری...... مجھے تم سے اس روز اتنا روڈ نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' ڈاکٹر عمر نے کھلے دل سے اپنی غلطی تسلیم کی تو وہ بھی نظریں چراتی، انگلیاں مسلتی دھیرے سے اپنے اندر کا سچ بتاتے ہوئے معذرت کرنے لگی۔

''میں بھی سوری کرتی ہوں، مجھے بھی آپ کی پرسنل چیزیں آپ کی اجازت کے بغیر نہیں دیکھنی چاہیے تھیں اور...... اور مجھ سے آپ کا وہ تاج محل بھی ٹوٹ گیا تھا......'' ایشال نے تسلیم کیا۔

''کچھ چیزیں شاید ٹوٹ جانے کے لیے ہی ہوتی ہیں...... اور ان کا ٹوٹ جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔'' ڈاکٹر عمر نے ٹیبل پر رکھے پیپر ویٹ کو گھماتے ہوئے آہستگی سے جواب دیا۔

ایشال نے سر اٹھا کر اُن کی طرف دیکھا...... ان کے لہجے میں کرب اور چہرے پر بیتے ہوئے کل کی پرچھائیاں تھیں۔

اگلے ہی لمحے وہ سر جھٹک کر اپنا اسٹیتھو اسکوپ ٹیبل سے اٹھا کر چیئر سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ''any way let,s go پہلے راؤنڈ لگاتے ہیں، پھر پیشنٹ چیک کریں گے۔'' ایشال بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ جنرل وارڈ اور ایمرجنسی وارڈ کا راؤنڈ لگانے کے بعد ڈاکٹر عمر نے نان اسٹاپ شام چار بجے تک پیشنٹ بچوں کو چیک کیا تھا...... اب ان کے گھر جانے کا ٹائم تھا۔

''تم اپنی گاڑی پر آئی ہو؟'' ڈاکٹر عمر نے ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''نہیں، آج میں ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی......'' ایشال نے چیئر سے اپنا اوور آل اور اسٹیتھو اسکوپ اٹھاتے ہوئے بتایا۔

''اوکے تو پھر تم میرے ساتھ ہی چلو...... میں تمہیں راستے میں ڈراپ کر دوں گا۔'' ڈاکٹر عمر نے اسے گھر چھوڑنے کی آفر کی۔

''چلیں، یہ بھی ٹھیک ہے......'' اس نے اثبات میں سر ہلایا...... اور ڈاکٹر عمر کے پیچھے، پیچھے چلنے لگی...... پارکنگ میں ان کی گاڑی تو کھڑی تھی مگر ڈرائیور نہیں تھا۔

''ایکچوئیلی آج میرا ڈرائیور بھی چھٹی پر ہے۔'' انہوں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔

ایشال آگے بیٹھ گئی۔

وہ گاڑی پارکنگ سے نکال کر مین روڈ پر لے آئے تھے۔

''پھپھو کیسی ہیں عمر بھائی؟''

''خود آ کر دیکھ لینا...... تمہارے گھر نہ آنے سے بہت اداس ہو جاتی ہیں مما......''

''میری پھپھو اس دنیا کی سب سے لونگ پھپھو ہیں۔'' ایشال مسکرائی۔

''مما روز تمہارا پوچھتی تھیں مجھ سے...... اور جب انہیں پتا چلتا کہ تم اسپتال نہیں آرہی ہو تو وہ مجھے بہت ڈانٹتیں اور کہتیں کہ یقیناً میں نے ہی تمہیں کچھ کہا ہے جس کی وجہ سے تم اسپتال نہیں آرہی ہو۔''

اُن کی بات سن کر ایشال دھیرے سے مسکرادی تھی۔

''پھپھو نے ہمیشہ عینی کو اور مجھے ماں جیسا پیار دیا ہے۔'' ایشال کی آنکھوں کے کونے بھیگ گئے۔

''نو ڈاؤٹ مما تم دونوں سے بے حد پیار کرتی ہیں۔'' ڈاکٹر عمر نے سر ہلا کر تسلیم کیا۔

''اینی وے دو چار دن سے مناب کراچی گئی ہوئی ہے...... مجھے اس کے ہاتھ کی کافی پینے کی عادت ہے میں اچھی کافی پینے کو ترس گیا ہوں۔'' ڈاکٹر عمر نے اسے بتاتے ہوئے اچانک گردن موڑ کر کہا۔

"what do you say about having a cup of coffee?"

ایشال نے پہلے حیرت سے ڈاکٹر عمر کی طرف اور پھر اثبات میں سر ہلایا۔

"yeah !sure" اور پھر ڈاکٹر عمر نے گلبرگ میں ایک مشہور کافی شاپ کے سامنے گاڑی روک لی تھی...... جو کافی اور دیگر اسنیکس کے لیے ایک نام رکھتی تھی۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ ڈاکٹر عمر کے ساتھ وہ پہلی بار یوں اکیلے کسی ایسی جگہ آئی تھی...... جہاں اکثر وہ اپنے دیگر کزنز کے ساتھ آیا کرتی تھی سوائے ڈاکٹر عمر کے...... کیونکہ انہوں نے ایسی آفر اپنی کسی کزن کو بھی نہیں کی تھی انہیں اکیلے اور الگ تھلگ رہنے کی عادت تھی، آج نہ جانے انہوں نے اپنی یہ قسم کیسے توڑ دی تھی۔

ڈاکٹر عمر ویٹر کو cappuccino 2 آرڈر کر چکے تھے مگر وہ اب بھی ورطۂ حیرت میں مبتلا تھی۔

''مجھے یہاں کی کافی بہت پسند ہے، میں اکثر یہاں آتا ہوں۔'' ڈاکٹر عمر نے اپنے سامنے بیٹھی ایشال کو بتایا۔

''عمر بھائی گھر جانے سے پہلے آپ میرے ساتھ یہاں ایک تصویر ضرور بنوایئے گا۔'' ایشال کی فرمائش پر وہ حیران ہوئے۔

''وہ کیوں......؟''

''مناب اور عینی میری بات پر یقین نہیں کریں گی ناں اس لیے......'' ڈاکٹر عمر دھیرے سے مسکرائے اور پھر اُن کے چہرے کے ساتھ، ساتھ لہجے میں بھی سنجیدگی اتر آئی۔

''مانا کہ میں ہٹلر ٹائپ انسان ہوں مگر میں لوگوں کو نہیں کھاتا...... ان فیکٹ ہٹلر بھی تو ایک انسان ہی تھا ناں...... ظالم ہی سہی۔''

''نن نہیں...... عمر بھائی وہ تو بس...... اس دن...... ایویں...... غصے میں نہ جانے میں نے کیا، کیا بکواس کردی تھی۔'' ایشال شرمندگی سے سر جھکا گئی۔

''ایکچوئیلی میں اتنا ظالم ہوں نہیں جتنا تم سب نے مجھے بنا رکھا ہے...... مجھے ہمیشہ غلط حرکتوں پر، غلط باتوں پر غلط چیزوں پر غصہ آتا ہے...... اینی ویز...... تم نے ابھی پریکٹیکل لائف کا آغاز کیا ہے آہستہ آہستہ خود ہی سمجھ جاؤ گی...... زندگی کی الجھنیں رفتہ، رفتہ ہماری ہنسی کو کم کردیتی ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اب ہم بڑے ہوگئے ہیں، میچور ہوگئے ہیں۔'' ویٹر کافی سرو کرنے لگا...... ایشال خاموشی سے اُن کی بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرنے لگی...... ویٹر کے جانے کے بعد ڈاکٹر عمر نے کافی کا سپ لیا۔

''میں نے سنا ہے ارسل نے تمہیں پروپوز کیا ہے؟''

ایک غیر متوقع سوال پر حیرت سے کافی پیتی ایشال نے سر اٹھایا۔

''جی ٹھیک سنا آپ نے......''

''ارسل سے کسی بھی قسم کی...... کمٹ منٹ کرنے سے پہلے اسے اچھی طرح سے پرکھ لینا...... کبھی، کبھی لوگ وہ نہیں ہوتے جو ہم انہیں سمجھتے ہیں۔'' ڈاکٹر عمر دھیرے سے اسے سمجھا رہے تھے۔

''آئی نو...... ارسل نے میرے لیے پروپوزل ضرور بھیجا ہے مگر میرے دل میں فی الحال اس کے لیے کوئی فیلنگز نہیں ہیں۔'' ایشال نے کافی کا سپ لیا...... اور فیصلہ سنایا۔

''اس نے اپنے غلط رویے پر معافی مانگی جو اچھی بات ہے...... مگر مجھے وہ ٹوٹلی فلرٹ لگتا ہے......'' ڈاکٹر عمر نے اظہار کیا...... نہ جانے وہ اس طرح ارسل کے بارے میں اس سے کیوں ڈسکس کر رہے تھے۔ ایشال نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

''یہ تو وقت ثابت کر دے گا کہ وہ کس حد تک سنجیدہ ہے۔''

ڈاکٹر عمر نے اس کی بات پر کافی پیتے ہوئے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

''اچھا اب اپنی کافی ختم کرو...... ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔'' انہوں نے بات بدلتے ہوئے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی...... اس کے بعد ہلکی پھلکی گپ شپ لگاتے ہوئے وہ کافی شاپ سے باہر نکل آئے تھے۔ واپسی پر ایشال کو نور منزل ڈراپ کرتے ہوئے وہ نانو سے ملنے اندر تک آئے تھے۔ نانو اور سمیرا بیگم نے زبردستی ڈاکٹر عمر کو کھانے پر روک لیا تھا۔

گھر آ کر اس نے عنایہ کو بتایا تھا کہ عمر بھائی اسے کافی شاپ لے کر گئے تھے تو اسے یقین نہیں آیا...... شام میں اس نے علینہ کو بھی کال کر کے اطلاع دی تو اس نے بھی یہ ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

''امپاسبل ایشو...... عمر بھائی جیسے سڑیل انسان تمہیں کافی پلانے لے کر جائیں...... جنہیں شروع سے ہی تم سے خدا واسطے کا بیر ہے، وہ تمہاری انسلٹ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، وہ اور تمہیں کافی پلائیں گے؟'' علینہ کا انداز تمسخر اڑانے والا تھا...... ایشال کو پہلی بار اس کا ڈاکٹر عمر کے بارے میں یوں بولنا اچھا نہیں لگا تھا۔

''جی نہیں...... اب ایسے سڑیل بھی نہیں ہیں بیچارے عمر بھائی...... وہ دل کے بہت اچھے ہیں...... اور مجھ سے کیوں انہیں خدا واسطے کا بیر ہوگا؟ یہ سچ ہے مجھے ان سے ڈانٹ ہمیشہ اپنی غلطیوں کی وجہ سے پڑتی ہے۔'' ایشال نے تسلیم کیا۔

''اوئے ہوئے...... ایک بار کافی کیا پلا دی انہوں نے۔ تمہاری تو عمر بھائی کے بارے میں رائے ہی چینج ہوگئی...... ویسے اگر تمہیں یاد ہو تو تمہارے ہی الفاظ بول رہی تھی میں...... جو تم عمر بھائی کے متعلق کہا کرتی تھیں......'' علینہ نے اسے یاد دلایا۔

''مجھے افسوس ہوتا ہے تب میں کتنا غلط بولتی تھی عمر بھائی کے بارے میں۔'' اسے واقعی افسوس ہوا۔

''ویسے میری دادو ایک بات کہتی ہیں...... اللہ کی رحمت کی پہلی نشانی یہ ہوتی ہے کہ انسان کو اپنے عیب نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں...... عمر بھائی کے ساتھ رہ، رہ کر تمہارا حلیہ چینج ہوتا جا رہا ہے...... اب کہیں خود ان کی طرح نیرو مائنڈڈ (تنگ نظر) اور روڈ مت ہو جانا ورنہ میری تمہاری فرینڈ شپ خطرے میں پڑ جائے گی......'' علینہ نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''شٹ اپ علینہ...... اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ عمر بھائی اتنے روڈ اور تنگ نظر نہیں ہیں۔'' ایشال کو علینہ پر غصہ آیا۔

''ارے واہ...... آج تم عمر بھائی کے ساتھ جسٹ کافی پی کر مجھے شٹ اپ کہہ رہی ہو...... کل کلاں کو اگر انہوں نے تمہیں کہیں لنچ یا ڈنر کروا دیا تو پھر تو مجھے تم نہ جانے کیا، کیا کہو گی؟''

علینہ چیخی تو ایشال بے ساختہ ہنسنے لگی۔

''ہاں تو ٹھیک ہے ناں تم بھی آئندہ عمر بھائی کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال مت کرنا ناں......'' اس نے مذاق میں اسے تنبیہہ کی۔

''اوہو...... واہ بھئی کتنے معتبر ہو گئے ہیں عمر بھائی ان چند دنوں میں؟ اپنے ساتھ، ساتھ اب ہم سے بھی کی عزت کروائی جا رہی ہے...... امیزنگ یار، مجھے تو دال میں کچھ گڑ بڑ لگ رہی ہے۔'' علینہ نے اسے چھیڑا۔

''اوییں...... اب زیادہ بکواس نہیں کرو۔''

''بکواس نہیں کر رہی ہوں، سچ، سچ بتاؤ کہیں عشق وشق تو نہیں ہو گیا تمہیں عمر بھائی سے؟'' علینہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

''اسٹاپ اٹ علینہ...... یہ کس طرح کی نان سینس باتیں کر رہی ہو تم......؟'' ایشال ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گئی...... علینہ کی بات نے اسے حیرت انگیز کر دیا تھا، اس کی ہارٹ بیٹ تیز ہو گئی تھی۔

''کم آن ایشو میں صرف تم سے پوچھ رہی ہوں...... تم تو ایسے مجھ سے خفا ہو رہی ہو جیسے سچ مچ تمہیں عمر بھائی سے محبت ہو گئی ہو......'' علینہ اس کے ایٹی ٹیوڈ سے خفا ہوئی۔

''مجھے ان سے کبھی محبت ہو بھی نہیں سکتی......'' ایشال نے دھیمے لہجے میں علینہ کے ساتھ، ساتھ جیسے خود کو بھی یقین دلایا تھا۔

☆☆☆

مناب کراچی سے واپس آ گئی تھی...... اس کا لکھا ہوا ڈراما سیٹ پر چلا گیا تھا۔ جس شام کو وہ واپس آئی تھی اسی رات وہ ساجدہ بیگم اور ڈاکٹر عمر کے ساتھ نور منزل آ گئی تھی۔

بہت دنوں کے بعد نور منزل کے تمام افراد گھر میں اکٹھے دکھائی دیے تھے...... لونگ روم میں جیسے رونق سی رونق تھی۔

''بھئی ساجدہ، بچے تو چلو اپنی زندگیوں میں مصروف ہیں کم از کم دو چار دنوں کے بعد تم ہی اِدھر چکر لگا لیا کرو......'' نور بیگم نے اپنے پاس بیٹھی بیٹی سے شکوہ کیا...... تو ساجدہ بیگم مسکرا دیں۔

''اماں گھر کے بکھیڑے ہی جان نہیں چھوڑتے کیا کروں...... مجھے کچن کا کام خود کرنے کی عادت ہے...... اور عمر تو مجال ہے جو فیقو کے ہاتھ کا کچھ پکا ہوا کھا لے......''

''بس ماں کے لیے ٹائم نہیں ہے تمہارے پاس...... باقی دنیا جہان کے کام کرتی ہو۔'' نور بیگم خفا ہوئیں۔

''اماں...... اب ایسے تو مت کہیں...... آپ ہمارے لیے سب سے اہم ہیں۔'' ساجدہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اُن کے ہاتھ تھام لیے۔

''ساجدہ آپا! اماں تو اب بچوں کی طرح خفا ہو جاتی ہیں...... بچوں کی طرح منانا پڑتا ہے انہیں۔'' داؤد چوہدری نے مسکراتے ہوئے اطلاع دی۔

''تو اور کیا...... پچھلے دنوں ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اماں کو پرہیزی کھانا بنوا کر دیا تو اماں خفا ہو گئیں کہ مجھے پھیکا کھانا کیوں دیا ہے...... میں تو وہی کھاؤں گی جو سب گھر والوں کے لیے بنا ہے۔'' سمیرا بیگم کچن سے لونگ روم میں آ کر داؤد چوہدری کے پاس بیٹھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولیں۔ لونگ روم میں بیٹھے تمام افراد

مسکرادیے تو نور بیگم جھینپ گئیں۔
"My grandmother is the best grandmother in the world"
زارون نے مسکراتے ہوئے نور بیگم کو دیکھا۔
"I agree" ڈاکٹر عمر نے بھی مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔
''ممانی، اقصم نظر نہیں آرہا...... کہیں گیا ہوا ہے کیا؟'' مناب نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''نہیں بیٹا، گیا تو وہ کہیں نہیں...... وہ اپنے روم میں ہوگا تم جا کر دیکھ لو اسے۔'' سمیرا بیگم کے بتانے پر مناب اٹھ کر اقصم کے روم کی طرف بڑھ گئی۔
''پھپو آپ کو ایک بریکنگ نیوز سناؤں؟'' عنایہ جو ایشال کے ساتھ بیٹھی پاؤں جھلا رہی تھی اچانک ساجدہ بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔
''کیسی بریکنگ نیوز؟'' ساجدہ بیگم کے ساتھ، ساتھ سب نے حیران نظروں سے عنایہ کو دیکھا۔
''ایشو نے آج پاستا بنایا ہے۔'' عنایہ نے نیوز سنائی۔
''میری ایشو نے......؟'' ساجدہ بیگم حیرانی سے مسکرائیں۔
''جی، آج کل اس پر کوکنگ سیکھنے کا ایک نیا بھوت سوار ہوگیا ہے۔''
''بھئی یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' داؤد چوہدری نے خوشی کا اظہار کیا۔
ایشال مسکرا کر سر جھکا گئی تھی، ڈاکٹر عمر نے خوشگوار حیرت سے اپنے سامنے بیٹھی اس غیر سنجیدہ سی لڑکی کو دیکھا جو اس وقت کافی سنجیدہ اور بڑی، بڑی سی لگ رہی تھی۔
''بڑے پاپا آپ زیادہ خوش مت ہوں...... اگر آپ نے ایشو کا بنایا ہوا پاستا کھالیا تو ساری خوشی ہوا ہو جائے گی...... اتنا ہولناک پاستا بنایا ہے اس نے۔'' عنایہ نے مسکراتے ہوئے اطلاع دی۔
''عینی اب اتنا بھی برا نہیں بنا ہے...... کیوں زارون بھائی؟ آپ نے ٹیسٹ کیا تھاں ناں، آپ ہی بتائیں...... کتنے مزے کا بنایا تھا میں نے پاستا۔''
''ہاں، بہت مزے کا تھا...... اس میں صرف چکن بہت سخت تھا...... اور پاستا بہت زیادہ گل کر لئی ٹائپ ہوگیا تھا...... نو ڈاؤٹ وہ گلو کے طور پر بھی کام آسکتا تھا۔'' زارون نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''زارون بھائی بہت خراب ہیں آپ......'' ایشال نے خفگی سے زارون کو دیکھا۔
''کم آن ایشو...... ابھی تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ میں تمہیں بتاؤں پاستا کیسا بنا تھا؟'' زارون اسے تنگ کرنے اور چھیڑنے کے موڈ میں تھا...... وہاں بیٹھے سب افراد مسکرا رہے تھے۔
''رہنے دیں آپ اپنی تنقید نما تعریف...... عنقریب دودھ پلائی اور جوتا چھپائی کی رسم میں واسطہ تو مجھ سے ہی پڑے گا ناں آپ کا......'' ایشال نے بھی مسکراتے ہوئے دھمکی دی اور کشن اٹھا کر زارون کو مارا۔
''اس کا مطلب ہے اب میری خیر نہیں......؟'' زارون نے کشن کیچ کرتے ہوئے کہا۔
''جی بالکل، اب میں آپ کی ٹیپیکل سالی بنوں گی۔''
''عمر بھائی میری کچھ ہیلپ کریں...... اِدھر میرے خلاف محاذ کھولا جارہا ہے۔'' زارون نے مدد طلب انداز میں ڈاکٹر عمر کو دیکھا۔
''بھئی یہ تم دونوں کا معاملہ ہے، میں کیا مدد کرسکتا ہوں۔'' ڈاکٹر عمر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''ایک آپ ہی تو ہیں جو مجھے ایشو کے چنگل سے چھڑا سکتے ہیں۔'' زارون نے دہائی دی۔ زارون کی بات پر ڈاکٹر عمر نے دھیرے سے اپنے سامنے بیٹھی اس ہنستی مسکراتی ہوئی زارون سے لڑتی جھگڑتی ہوئی لڑکی کو دیکھا...... جو ہمیشہ نہایت خاموشی سے ان کی ڈانٹ سہہ لیا کرتی تھی جو دو چار دن ان سے خفا رہ کر پھر سے ویسے ہی ہو جاتی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہو...... گزشتہ کئی دنوں سے اس میں خاصی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں...... ڈاکٹر عمر نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اگنور نہیں کر پا رہے تھے...... وہ ایشال چوہدری کے سحر میں دھیرے، دھیرے جکڑے جا رہے تھے۔ لونگ روم میں ہنسی مذاق چل رہا تھا۔

مناب جب اقصم کے روم کا دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوئی تو اقصم گٹار بجاتے ہوئے کچھ گا رہا تھا۔ اس کے پاس پیپر اور قلم رکھا تھا...... کئی پیپر مروڑ کر اس نے کارپٹ پر پھینکے ہوئے تھے۔

''السلام علیکم...... ! کیسے ہو چھوٹو......؟'' مناب مسکراتے ہوئے اندر بڑھ آئی۔

''وعلیکم السلام...... ! فائن، تھینکس گاڈ آپ جلد واپس آگئیں...... کیسا رہا آپ کا ٹور......؟'' اقصم اسے دیکھ کر ازحد خوش ہوا۔

''بہت اچھا رہا...... میرا ڈراما سیٹ پر چلا گیا ہے، کاسٹ بہت اچھی ہے ڈائریکٹر نے میرے ڈرامے میں سپر اسٹارز کو کاسٹ کیا ہے...... اسی چینل کے ساتھ ایک اور پروجیکٹ پہ بھی میٹنگ ہوئی ہے میری...... انشاء اللہ ایک اور سیریل لکھوں گی اس ٹیم کے ساتھ۔'' مناب اس کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے خوشی سے اقصم کو تفصیل بتانے لگی۔

"oh wow great news" اقصم مسکرایا۔

''تم سناؤ کیا ہو رہا ہے آج کل؟ ماموں کے آفس بھی جاتے ہو یا عیش ہو رہے ہیں اب تک؟'' مناب نے

اس کے بال بکھیرے۔

''ایک دو دفعہ آفس گیا ہوں...... با قاعدگی سے فی الحال نہیں جا رہا۔'' اقصم دھیرے سے مسکرا دیا۔

''تو پھر کیا کرتے رہے ان پانچ دنوں میں؟ کہیں کوئی لڑکی شرڑکی تو نہیں پھنسالی؟'' اس کے انداز پہ اقصم نے قہقہہ لگایا۔

''لڑکیاں خود پھنسنا چاہتی ہیں میرے ساتھ...... مجھے کوئی شوق نہیں ہے انہیں پھنسانے کا...... اینی وے میں نے ایک سونگ لکھا ہے...... یہ دیکھیں...... آدھا لکھ چکا ہوں باقی مکمل نہیں ہو رہا......'' اقصم نے پیپر مناب کے آگے بڑھایا۔

''اوہ، یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔'' مناب نے حیرت اور خوشی سے اس کے ہاتھ سے پیپر پکڑ کر پڑھنا شروع کیا۔

''اے عشق ترے ہیں کھیل عجب
تیرا ہجر عجب تیرا میل عجب
کبھی رانجھا جوگی بنتا ہے
کبھی مجنوں روگی بنتا ہے
اے عشق ترے ہیں کھیل عجب
کبھی سولی پر لٹکاتا ہے
کبھی انا الحق کہلاتا ہے
اے عشق ترے ہیں کھیل عجب
کبھی ہونٹوں سے کچھ کہہ نہ سکے
کبھی اشکوں سے تو بات کرے
اے عشق ترے ہیں کھیل عجب

ارے واہ چھوٹو یہ...... یہ تم نے لکھا ہے؟ مجھے تو یقین نہیں آ رہا تم تو بھئی چھپے رستم نکلے......'' مناب نے حیرانی سے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

اقصم مسکرا دیا۔

''میں تمہیں یہ سونگ کمپلیٹ کر دوں گی...... بلکہ یہ قلم دو۔'' مناب نے اقصم کے ہاتھ سے قلم لیا اور کاغذ پر مزید اشعار لکھنے لگی۔

''کبھی سسی، سوہنی، ہیر بنے
کبھی ماتھے کی تقدیر بنے
اے عشق ترے ہیں کھیل عجب
کبھی سہتی کبھی مراد بنے
کبھی شیریں کا فرہاد بنے
اے عشق ترے ہیں کھیل عجب''

مناب کاغذ پر اشعار لکھتے، لکھتے اقصم کو سنا بھی رہی تھی۔

''واؤ گریٹ......'' اقصم نے بے ساختہ داد دی۔

"آخری شعر سنو......

کبھی ہونٹوں پر مہتاب سجے
کبھی آنکھوں میں سیلاب سجے
اے عشق ترے ہیں کھیل عجب
تیرا ہجر عجب تیرا میل عجب
اے عشق ترے ہیں کھیل عجب

چھوٹو کیسا رہے گا یہ؟" مناب نے کاغذ قلم اقصم کی طرف بڑھایا......اقصم کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی......بیٹھے بٹھائے اس کا سونگ مکمل ہو گیا تھا۔

"میں اس سونگ کو کسی اچھے سے کمپوزر سے کمپوز کرواؤں گا۔"

"اور اس کی وڈیو بنوا کر کسی میوزک چینل پر چلوانا...... یہی کہا تھا ناں فاریہ نے؟" مناب نے مسکراتے ہوئے اسے یاد دلا دیا۔

"ہاں، چیکو نے مشورہ اچھا دیا تھا۔" اقصم نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

زارون اور عنایہ کی شادی میں بہت کم دن رہ جانے کے پیش نظر نادرن ایریا جانے کا پروگرام فی الحال ملتوی ہو گیا تھا......البتہ یہ ویک اینڈ گاؤں میں اپنی آبائی حویلی میں گزارنے کا مشترکہ فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ حویلی کے ملازمین متحرک ہو کر حویلی کی صفائی ستھرائی میں مصروف ہو چکے تھے۔ دوسری طرف نور منزل کی ینگ جنریشن اپنی بھاگتی دوڑتی شہری بے سکون زندگی سے ایک عرصے کے بعد ٹائم نکال کر دو دن گاؤں کی پُرسکون زندگی میں گزارنے کے لیے بے تاب نظر آ رہی تھی...... جمعہ کو لنچ کے بعد نور منزل کے ملازمین گھر کے مکینوں کا سامان گاڑیوں میں رکھنے لگے تھے۔ پینو اور اسلم کو چند گھنٹے پہلے گاؤں بھجوا دیا گیا تھا سب اپنی، اپنی گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے۔ حیرت انگیز طور پر اس بار اقصم نے ڈاکٹر عمر کو بھی گاؤں چلنے پر آمادہ کر لیا تھا......ایشال، اقصم کے ساتھ اس کی اسپورٹس کار میں بیٹھی تھی......ایشال نے مناب کو بھی اپنی کمپنی کے لیے ساتھ بٹھا لیا تھا۔ مناب نے شاکنگ پنک ڈھیر ساری چنٹوں والی پٹیالہ شلوار پر بلیک کلر کی ہاف سلیوز شارٹ شرٹ پہن رکھی تھی......ساتھ میں اس نے کندھوں پر گرین کلر کا دوپٹا لے رکھا تھا...... بلیک گلاسز لگائے وہ اقصم کا دل بے ایمان کر رہی تھی......آج وہ اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ ایک لمحے کو بھی اس سے نظر ہٹانے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

"وہ میرا سب کچھ ہے میرا مقدر نہیں
کاش وہ میرا کچھ نہیں ہوتا میرا مقدر ہوتا"

اقصم نے بھی آنکھوں پر لگائے گلاسز کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے نظروں کے ذریعے دل میں اتار لیا تھا۔

تمام گاڑیاں قطار کی صورت میں گاؤں کے لیے روانہ ہو چکی تھیں۔ مناب، اقصم کی پچھلی نشست پہ بیٹھی تھی اور اپنے سیل فون سے شاید ولی کو میسج کر رہی تھی۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ سے اقصم کو اندازہ ہو گیا تھا یقیناً وہ ولی سے ہی چیٹ کر رہی ہے......اس کا دل ہمیشہ کی طرح حسد کی آگ میں جلنے لگا۔

"تجھے دل سے کیسے نکالوں

کسی نالائق طالب علم کی طرح
دل نے تیرے نام کے رٹے لگا رکھے ہیں''

''اقصم یار کتنے بدذوق ہوگئے ہو تم...... ایسے سفر کیسے گزرے گا...... اچھا سا میوزک ہی لگالو۔'' ایشال بور ہوئی تو اقصم نے ڈرائیو کرتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر میوزک پلے کیا...... ارجیت سنگھ کی رومینٹک آواز گاڑی میں گونجنے لگی۔

''آج پھر تم پہ پیار آیا ہے
بے حد اور بے حساب آیا ہے''

گلاسز لگائے اقصم نے بیک مرر سے مناب کو دیکھا...... اس کے ہاتھ میں اب بھی سیل فون تھا، وہ ولی کو گاہے بگاہے میسیج کر رہی تھی...... جس کا ریپلائی پڑھ کر اس کے لبوں پر ایک خوب صورت اور گہرا سا دلفریب تبسم بکھر جاتا تھا...... اقصم کا دل چاہتا اس کے لبوں پر ولی کے نام کا تبسم چرالے...... چھین لے اس کے ہونٹوں سے ولی کے نام کی مسکراہٹ......

اب بھی وہ سیل فون ہاتھ میں پکڑے اپنے ہی دھیان میں مسکرا رہی تھی۔ اقصم نے بے ساختہ بیک مرر سے اسے دیکھا تھا اور پھر چند لمحے اس کے مسکراتے ہوئے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکا تھا۔

اپنے دل کی قنوطی حالت پر وہ اکثر سوچا کرتا تھا کہ یہ عشق اسے سیدھے سادے راستے سے کن بھول بھلیوں میں لے گیا تھا...... جہاں وہ روز بروز گم ہو رہا تھا، لاپتا ہو رہا تھا۔

اب تمام گاڑیاں موٹروے سے اتر کر ان کے آبائی گاؤں کی حدود میں داخل ہو چکی تھیں۔ گاؤں اب پہلے جیسے نہیں رہے تھے...... وہاں کے لوگ بھی بہت حد تک Civilised ہوگئے تھے۔ حویلی میں ان سب کا بڑے شاندار انداز میں استقبال ہوا تھا۔

دو گھنٹے کا سفر طے کرنے کے باوجود سب خوش اور ہشاش بشاش نظر آرہے تھے۔

غروب ہوتے سورج کی کرنوں نے حویلی کی اونچے کنگروں پر نارنجی سی لالی بکھیر رکھی تھی حویلی کے چاروں اطراف باؤنڈری وال کے ساتھ لگے گھنے اور پھل دار درختوں پر چڑیوں نے شور مچا رکھا تھا۔

حویلی کے وسیع تر لان میں ٹیبل اور کرسیاں بھی لگادی گئی تھیں۔ اسلم اور پیٹو نے ان سب کے لیے کھانے پینے کے حوالے سے تمام انتظام کر رکھے تھے...... فریش ہونے کے بعد سب ایک ہال نما کمرے میں جمع ہونے لگے، پہلے وقتوں میں یہ کمرا لونگ روم کے طور پر استعمال ہوا کرتا تھا، نئی نسل حویلی کے منقش اور روایتی انٹیریز اور رکھ رکھاؤ سے بہت متاثر نظر آرہی تھی...... اقصم نے تو آتے ہی اپنا کیمرا نکال لیا تھا اور کچھ تصویریں اپنے کیمرے میں مقید کرلی تھیں۔ زارون اور عنایہ حویلی کے دالانوں اور باغ میں گھوم پھر رہے تھے۔ ملازم نے انہیں چائے بن جانے کی اطلاع دی تو وہ دونوں بھی اندر آگئے۔ ایشال گرم پانی سے شاور لے کر اب اپنے اور مناب کے مشترکہ روم میں اپنے بیگ سے گرم لانگ اپر ڈھونڈ رہی تھی۔ اس کی پشت پر گیلے بال بکھرے ہوئے تھے۔

''مناب بھئی میرا سوئیٹر کہاں رکھا ہے تم نے......؟'' اچانک ڈاکٹر عمر روم میں داخل ہوئے مگر روم میں مناب کی جگہ ایشال کو گیلے بالوں کے ساتھ کھڑے دیکھ کر ایک دم سے ٹھٹک کر وہیں رک گئے تھے۔

''سوری، میں دروازہ ناک کیے بغیر اندر آگیا...... میں سمجھا کہ مناب ہوگی یہاں...... مگر...... آئی ایم سوری......'' اگلے ہی لمحے وہ شرمندہ سے انداز میں باہر نکل گئے تھے۔

(جاری ہے)

یادگار

ثمینہ عظمت علی

''ہر دو مہینے بعد اتنا سامان جمع ہو جاتا ہے، سمجھ ہی نہیں آتا کہ کیا کریں......'' کرن اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''ہاں، خاص طور پر کپڑے......'' فریال نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''سارا مسئلہ ہی ان کپڑوں کا ہے۔'' ایمن نے کہا۔ ''اپنے......میاں کے......بچوں کے۔''

''ہمیں دراصل اپنی چیزوں کو reuse اور